اصول قانون کا ارتقاء: اسلامی اور مغربی تصورات کا تقابلی مطالعہ

Evolution of Jurisprudence:
(A Comparative Study of Islamic and Western thought)

میمونہ یاسمین*

ABSTRACT

For human being has been in need of a law for his survival and success in both worldly and hereafter life since his existence on earth, he was guided by the Creator Almighty Allah through His teachings via Prophets(Alaihimussalam) to the mankind. Besides this, away from the divine teachings, he always used to legislate either individually or collectively, informally or formally on the basis of logical reasoning, nature, culture, his own interest etc.

Islamic Law and its legislation started from the day first of human creation, it is completed by the last Prophet Muhammad(peace & blessing of Allah be upon Him) and it is compiled and nourished by the Muslim Jurists with their tremendous and remarkable efforts on the basis of Divine Revelation(Qur'an and Sunnah).

Origin of Western Law and its legislation is the Roman and Ancient Greek Laws and they are man made laws based on logical reasoning, nature, culture, so-called humanity and their own interest. Hence, we know the clear difference between the Islamic and Western concept of law and legislation.

The first compiled code of law that we know in the recorded history is Hammurabi(1810BC - 1750 BC)code of Law that was in time of Prophet Ibrahim(Alihissalam) as it is opined by Dr. Muhammad Hamidullah(2002). As far as Modern Western Laws are concerned, the oldest one is unrecorded Britan Law comprising four stages starting from the sixth century C.E. and then American law in the second half of eighteenth century C.E.

This comparative study of evolution between Islamic and Western Jurisprudence enlightens on many aspects of history of law, legislation and jurisprudence of both sides.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، ڈھوک الٰہی بخش، راولپنڈی، پاکستان۔

انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے اور اجتماعی زندگی اس کے لیے جزولاینفک ہے۔ کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی زندگی کی تمام تر ضروریات تن تنہا پوری نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انہیں پورا کرنے کے لیے باہمی تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ابن خلدونؒ[1] اس حقیقت کی وضاحت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"إنّ الاجتماع الإنساني ضروري"[2]

(بنی نوع انسان کے لیے معاشرتی نظام میں مل جل کر رہنا بہت ضروری ہے)۔

ان ضروریات کی تکمیل کے لیے وہ اختلافات، جنگ، ظلم یا مدافعت کا طریقہ استعمال کرتا ہے۔ اس صورت میں ایسے قواعد وضوابط کی ضرورت پیش آئی کہ جن کے تحت ہر شخص کے جائز حقوق کا تعین کر کے تحفظ فراہم کیا جاسکے چنانچہ ایسے ضابطے کو "قانون" کہا جاتا ہے۔

اجتماعی زندگی کے شروع میں عام طور پر مذہبی پیشواؤں کے اقوال، قبیلہ کی رائے عامہ یا سردار کا اقتدار ہی قانون کا مصدر و منبع سمجھے جاتے ہیں۔ بعد ازاں حقوق انسانی کی حفاظت کے لیے قوانین کی تدوین کی ضرورت پیش آئی۔ تدوین کے مرحلے پر یہ سوالات بھی ابھرتے ہیں کہ قانون سازی کیسے ہو؟ اس کا مصدر ومنبع کیا ہے؟ استنباط کا طریق کار کیا ہو؟ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں سے اصول فقہ کی تعیین وتدوین کا مسئلہ شروع ہوتا ہے[3]۔

اصول قانون کا معنی ومفہوم

ا۔ مغربی تصوّر

لفظ "قانون" (جمع قوانین) اپنی اصل کے لحاظ سے یونانی لفظ ہے[4]۔ جو سریانی کے ذریعے عربی زبان میں آیا[5]۔ انگریزی میں لفظ "قانون" کے لیے Canon[6] (دستور، قاعدہ) اور Law کے الفاظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن Jurisprudence کا لفظ زیادہ مستعمل ہوتا ہے۔ اوراس کے لفظی معنی ہوئے:

"Skill in the law" or "knowledge of law"[7] مغربی مفکرین اور لغات کے اعتبار سے قانون کی مختلف الفاظ میں لیکن مفہوم کے اعتبار سے ملتی جلتی تعریفات کی گئی ہیں بقول مغربی مفکر سالمنڈ[8]:

> "The law may be defined as the body of principles recognised and applied by the state in the administration of justice, In other words, the law

consists of rules recognised and acted on by the courts of justice".[9]

(قانون ان اصول و قواعد کے مجموعے کا نام ہے جو ریاست یا مملکت اپنی حکومت میں عدل وانصاف قائم رکھنے کی خاطر منظور کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر قانون ان اصول و قواعد پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو عدالت ہائے انصاف کے نزدیک مسلمہ ہوں اور جن پر یہ عدالتیں عامل ہوں)۔

گویا کہ قانون حکم کا ضابطہ ہے اور اچھے قانون سے مراد اچھے احکام ہی ہوتے ہیں[10]۔ اور قانون عمومی طور پر ایسے عام قوانین اور ضابطوں کا مجموعہ ہے کہ جسے سیاسی پشت پناہی حاصل ہوتی ہے[11]۔

عرف عام میں قانون سے متعلقہ علوم کو ''اُصولِ قانون'' کہتے ہیں۔ الپین (Ulpian)[12] اصول قانون کو خیر وشر میں امتیاز کرنا[13] اور بینتھم (Bentham)[14] کے مطابق اُن باتوں سے باقاعدگی کے ساتھ بے علم رکھنے والا علم ہے، جس سے ہر شخص واقف ہے۔ لیکن ہالینڈ (Holland) نے اصولِ قانون (Jurisprudence) کی مختصر مگر جامع الفاظ میں تعریف کی ہے:

"Jurisprudence is the (Formal) Science of positive law"[15].

(اصول قانون، مثبت قانون کے باقاعدہ علم کا نام ہے)۔

مغربی اصول قانون کی ان تعریفوں میں سے ہالینڈ (Holland) کی تعریف سب سے زیادہ آسان اور عام فہم ہے لیکن ان کا لبِ لباب یہ ہے کہ Jurisprudence صرف انسان کے وضع کردہ قانون کے بنیادی اُصولوں کو سمجھنے اور سمجھانے کا علم ہے۔

۲۔ اسلامی تصور

قانون عربی زبان کے لفظ ''قنن'' سے ہے۔ قانون کی جمع قوانین بمعنی ''اصول'' ہے[16]۔ عبد القادر ابن غیبیؒ[17]، افلاطون[18] اور ابن حزمؒ (م ۴۵۶ھ)[19] نے قانون کو ''رئیس الآلات'' جبکہ ابن منظور افریقی[20] نے قانون کی تعریف "قانون كل شى طريقته ومقياس"[21] (ہر شے کا قانون اس کا طریقہ اور مقیاس (پیمانہ) ہے) کے الفاظ سے کی ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے قانون کی تعریف اس طرح سے کی ہے:

"قانون وہ اُصول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنی وحی کے ذریعے سے اپنے بندوں کو تعلیم کیا ہو تا کہ وہ اس پر عمل کریں"[22]۔

فقہائے اسلام کے ہاں لفظ قانون کا استعمال بہت کم ہے اس کی بجائے انہوں نے دین، شریعت، حکم شرعی، فقہ وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ تاہم قانون کے عمومی معنی کے اعتبار سے اس سے مخصوص احکام شرعی کا مجموعہ مراد ہے[23]۔

بیضاویؒ[24] کے مطابق اُصول فقہ سے مراد ہے:

"معرفة دلائل الفقه اجمالاً وكيفية الاستفادة منها وحال المستفيد"[25].

اس تعریف کے مطابق "اُصول فقہ" سے مراد ہے "العلم بالادلة" گویا کہ اصول فقہ کا انحصار ان تین امور سے معرفت حاصل کرنا ہے۔ (الف) دلائل الفقہ الاجمالیۃ (ب) كيفية الاستفادة منها (ج) حال المستفيد[26] اس اعتبار سے اصول الفقہ دراصل فقہ کے ان دلائل کا نام ہے جن کی مدد سے احکام شریعہ کے فہم میں مدد ملے اور یہ معلوم ہو کہ کس طرح دلائل کے ذریعے سے احکام کا ثبوت میسر آرہا ہے۔[27] اسی طرح کا قول قاضی باقلانیؒ[28]، ابن حاجبؒ[29]، امام آمدیؒ[30]، شیرازیؒ[31] اور علامہ شاشیؒ[32] سے بھی منقول ہے۔

تقابلی جائزہ

اس ضمن میں دو بنیادی نکات وضع ہوتے ہیں:

۱۔ اہلِ مغرب کے مطابق قانون کا لفظی مطلب فن، ہنر یا معیار کا پیمانہ کرنا ہے۔ جبکہ اسلام کے مطابق قانون کا لفظی مطلب جڑ، بنیاد، قاعدہ و دستور اور ہر علم کا اصل ہے۔

۲۔ مغربی قانون ایک منظم و منضبط معاشرے میں عدل و انصاف رائج کرنے کا ایک طے شدہ ضابطہ ہے۔ جبکہ اسلامی قانون خدا کے حکم کا نام ہے یا اس حکمتِ عملی کو کہتے ہیں، جس کے ساتھ خدا کا حکم ہو۔ گویا کہ قانون کا صدور خدا سے ہوتا ہے اور ظہور خلقِ خدا سے۔ فقہ اسلامی میں کلمہ "قانون" ان اصطلاحی معنوں میں کبھی استعمال نہیں ہوا جیسا کہ موجودہ دور میں اس کے معنی لیے جاتے ہیں چنانچہ ہمارے ہاں عام طور پر "قانون" سے وہ رسوم اور قواعد وضوابط مراد لیے جاتے ہیں جنہیں مملکت نافذ کرتی ہے اور ان کی خلاف ورزی پر سزا دیتی ہے[33]۔ اس کے برعکس فقہ کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ان

قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے جو علماء نے اپنی دینی تالیفات میں جمع کیے ہیں اور جو قرآن وسنت اور اجتہاد شرعی پر مبنی ہیں۔

جن ماہرین قانون نے جورس پروڈنس کے لیے اُصول قانون کی اصطلاح وضع کی تھی، انہوں نے اس کو اصول فقہ ہی کا مماثل مضمون سمجھ کر یہ اصطلاح وضع کی تھی۔ بالفاظ دیگر خود اُصولِ قانون کی اصطلاح بھی اسلامی اصول فقہ کی عطا کردہ ہے [34]۔

مشہور مغربی مفکر سالمنڈ (Salmond) نے اصول قانون کی جو تعریف کی ہے وہ اصول فقہ پر منطبق نہیں ہوتی۔ البتہ اُصول فقہ کے بعض ایسے مباحث پر یہ تعریف منطبق ہو سکتی ہے۔ جو علمائے متاخرین نے فلسفہ اور کلام کے زیر اثر اصول فقہ کی کتابوں میں اٹھائے ہیں۔

مغربی اصول قانون کے تحت کچھ ایسے امور بھی زیر بحث لائے جاتے ہیں جو فقہائے اسلام کے مطابق خالصتاً فقہ یا اُصولِ فقہ کے درمیانی موضوعات سمجھے جاتے ہیں اور ان کا تعلق فروق، قواعد کلیہ اور اشباہ و نظائر جیسے موضوعات سے ہوتا ہے۔ علمائے مغرب ابھی تک قانونِ کی بابت کوئی متفقہ اور قبول عام نقطہ نظر پیش نہیں کر سکے۔ وہ نہ صرف فطرت انسانی اور انسانی زندگی کی کلیت سے متعلق جامع معلومات نہیں رکھتے بلکہ ان کے پاس انسانی اقدار کے ردّ و قبول کے لیے کوئی باقاعدہ نظام یا معیار بھی موجود نہیں ہے۔ قرآن ان الفاظ میں بنی نوع انسان کو مخاطب کرتا ہے:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾[35]

(کیا یہ جاہلیت کے قوانین کی تلاش میں ہیں اور اللہ سے بڑھ کر یقین رکھنے والوں کے لیے اچھا قانون دینے والا کون ہو سکتا ہے)۔

ایک مغربی مفکر رابسن (Robson) خود بھی مغربی مفکرین کی قانون کی تعریف کے بارے میں اختلافی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے معترف ہے کہ:

> "It is difficult to define law in satisfactory manner, it is still harder to find the beginnings of it. The origins of law are shrouded in obscurity and are, perhaps, impossible to discover"[36].

(اگر قانون کی اطمینان بخش تعریف مشکل ہے تو اس کے آغاز کی بابت کچھ کہنا مشکل ہے۔ قانون کے ابتدائیات ، ابہام کے دبیز پردوں میں چھپے ہوئے ہیں جنہیں منصہء شہود پر لانا شاید ناممکن ہے)۔

جان آسٹن(Austin) ہینز کیلسن (Hans Kelsen) اور روسکوپاونڈ(Roscoe Pound) تصور قانون کے حامی وموید ہیں۔ جب کہ گرے (Gray) ، فرائیڈمین Friedmanne [37]، برائس (Bryce) اور سالمنڈ(Salmond) اس نقطہ نظر کو ہدف تنقید بناتے ہیں اور مقصدی تصور قانون کی حمایت کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو مغربی اُصولِ قانون کے تناظر میں یوں بخوبی اُجاگر کیا جاسکتا ہے۔

مغربی قانون اور اصول قانون کے برعکس فقہ اسلامی اور اُصول فقہ میں کوئی تعارض نہیں پایا جاتا کیونکہ اسلام میں ہر چیز کی ایک متعین اور طے شدہ اساس موجود ہے اور وہ وحی الٰہی ہے جو کہ ہر چیز کے حسن وقبح کا فیصلہ کرنے میں آخری اور حتمی سند ہے۔

اُصولِ قانون کا ارتقاء

ا۔ رومن لاء میں اصول قانون

دنیا کے مقنّنین معترف ہیں کہ قانون کے ابتدائی تصورات کا علم انہیں اب تک نہیں حاصل ہو سکا ہے، روما[38] کا قانونی نظام بھی ایسی نا قابل اطمینان حالت میں ہے۔ بعض مقننین نے تو اپنی لاعلمی کو چھپانے کے لیے ابتداء میں کسی قانون کے ہونے ہی سے انکار کر دیا ہے[39]۔بقول فرانسیسیوں کے اس کا وجود "ہوائی" سمجھا جاتا تھا" [40]۔ قانونِ روما میں فطری قوانین کے بہت سے اجزاءشامل تھے۔ اور یہی قدیم رومی قانون، تمام قوانینِ یورپ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ رومی قوانین ان قواعد واحکام کا مجموعہ ہے، جس پر رومی قوم نے اپنی ابتدائی نشوونما سے لے کر شہنشاہ جسٹی نین[41] کی وفات تک مختلف زمانوں میں عمل کیا۔

ابتدائی دور میں اہل رومہ کا قانون رسم ورواج پر موقوف تھا لیکن قوانین مرتب کرنے کا خیال ان میں قدیم زمانے سے ہی موجود تھا۔ چنانچہ انہوں نے پانچویں صدی قبل مسیح کے وسط میں وہ قوانین جمع کیے جو بارہ تختیوں[42] پر لکھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد رومی قانون سازی کے مصادر میں اضافہ ہوتا رہا۔ بعض صورتوں میں بلاواسطہ اور بعض میں بالواسطہ۔ پہلی قسم کے قوانین ان طاقتوں کے ذریعے معرض وجود میں آئے جو تاریخ رومہ کے مختلف ادوار میں برسرِ اقتدار آتی رہیں۔ جیسے بادشاہوں کے قوانین یا فرامین

شاہی[43]۔ دوسری قسم کے یا بالواسطہ قوانین وہ کہلاتے ہیں جو ججوں کے فیصلوں اور ان کے منشوروں کا نتیجہ ہیں اور یا وہ علمائے قانون[44] کے فتاویٰ ہیں[45]۔ جو "مجموعہ قوانین مدنی"[46] کے نام سے مشہور ہیں۔ سر ہنری سمنر مین[47] قانونِ روما کے بارے میں اسی بات کے قائل ہیں[48]۔ نیز قیاصرہ انتونی کا عہد متفقہ طریقہ سے اہل روما کے اصول قانون کی انتہائی ترقی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے[49]۔

۲۔ یونانی لاء میں اصول قانون

تمام رومی اور یونانی (مجموعہ ہائے قوانین) ایسے واقعات میں رائج اور شائع تھے، جو ایک دوسرے سے زیادہ بعید نہ تھے، ان کا ظہور تقریباً یکساں حالات میں ہوا اور علم قانون کے بہت سے اصول، ان مجموعہ ہائے قوانین کی بنیاد ہیں اور زمانہ کے لحاظ سے اصول مذکور کو ان مجموعوں پر تقدم حاصل ہے۔ اکثر ایسی تحریریں موجود ہیں، جن سے، ان قانونی اصولوں کا ایک حد تک پتہ چلتا ہے[50]۔

یونانی قانون کے ابتدائی تصورات کا پتہ کسی حد تک ہومر کی نظموں سے ملتا ہے۔ اس سے وہ فیصلے اور تجویزیں مراد ہیں جو بادشاہوں کے دلوں پر القاء کی جاتی تھیں[51]۔ بعد ازاں یونانی قانون میں رواج اور عدالتی فیصلے کا تصوّر پیدا ہوا۔ قانون کا متداول لفظ "نومس (Nomos) " جو یونانیوں کی بعد کے تمدن کی سیاسی لغت میں اس قدر مشہور و معروف ہوا، ہومر کی نظم میں نہیں پایا جاتا[52]۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کی حیثیت کمزور پڑ گئی اور شاہی اختیارات زائل ہو گئے اور بالآخر ان کی جگہ اُمراء کی جماعت قائم ہو گئی[53]۔ اصولِ قانون کی ابتدائی نشو ونما میں اُمراء کے ایک گروہ کو عدالتی اختیارات مختص کر دیئے گئے، جس سے پھر رواجی قانون کی بنیاد پڑی اور اس طرح قانونِ فطرت عمل میں آیا۔

۳۔ برطانوی لاء میں اصول قانون

برطانیہ کا دستور کسی مکمل و مستقل دستاویز کی شکل میں نہیں پایا جاتا۔ یہ دستور نہ تو کسی خاص زمانے میں وضع ہوا اور نہ کوئی مخصوص جماعت اس کے وضع کرنے کے متعلق ذمہ دار ٹھہرائی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس انگریزی نظام حکومت کی عالی شان عمارت صدیوں کی تعمیر در تعمیر کا نتیجہ ہے اور اس کے بنانے میں ہر قسم کے مواد سے کام لیا گیا ہے۔ مختلف معماروں نے رسوم اور قوانین، عدالتی فیصلے اور غیر منضبط قواعد سے عمارتِ مذکور اس اساس پر تعمیر کی، قدیم زمانے کی تمدنی اور قومی تاریخ میں جس کی نیو بہت گہری کھدی تھی[54]۔ پروفیسر منرو کے الفاظ میں " برطانوی دستور، دساتیر کی ماں ہے اور برطانوی پارلیمان مادر پارلیمان ہے[55]۔

جدید ریاستوں کے دساتیر میں برطانوی دستور سب سے قدیم ہے۔ برطانوی آئین اور نظام حکومت گزشتہ ایک ہزار سال سے بھی زائد عرصہ کے تاریخی واقعات کا ثمرہ ہے۔ اس نے سینکڑوں ارتقائی منازل طے کی ہیں[56]۔ برطانوی اُصول قانون کا ارتقاء کچھ اس طرح سے ہے:

۱۔اینگلو سیکسن دور(Anglo Saxon Period) ۲۔نارمن اور انجیون دور (Norman and Angevin Period) ۳۔ ٹیوڈر دور(Tudor Period) ۴۔ اسٹورٹ دور (Stuart Period)

برطانوی تاریخ کا پہلا دور جو سیاسی اداروں کی نشو و نما سے متعلق ہے۔ وہ پانچویں تا دسویں صدی عیسوی تک نارمن کی فتح سے قبل تک کا ہے۔ اور اس دور میں بادشاہت کا دور دورہ تھا مگر اس کی حیثیت مورثی نہیں بلکہ انتخابی تھی[57]۔ بعد ازاں ہنری دوم نے اپنے عہد میں بہت سے نئے فرامین تیار کیے۔ پروفیسر جی۔بی ایڈمز کے مطابق انگریزی آئین کی تاریخ برطانوی سرزمین پر نارمن کی فتح (۱۰۶۶ء) کے بعد سے شروع ہوتی ہے[58]۔

اس کے بعد ولیم نارمنڈی کے پڑپوتے ۱۵جون ۱۲۱۵ءنے "میگنا کارٹا" کی دستاویز پر دستخط کیے۔ جو آج تک قائم ہے۔ جب اسٹورٹ دور آیا تو جیمس اول نے بادشاہوں کے ربانی حقوق کا نظریہ پیش کیا اور ایک رسالے "آزاد بادشاہوں کا قانون"(The Law of Free Monarchies) میں اس طرح بیان کیا:

> "فرمانروا خدا کی مرضی اور منشاء کے مطابق حکومت کرتا ہے۔ رعایا کو اس کے خلاف کوئی اختیار نہیں۔ اگر جابریت خوف ناک ہے تو نراجیت اس سے بھی بُری چیز ہے۔ جابریت کے خلاف سوائے خدا کے پاس اپیل کرنے کے کوئی چارہ کار نہیں"[59]۔

جب اس کے بیٹے چارلس اوّل نے بھی اپنے ربانی حقوق کا اعلان کیا تو بادشاہ اور پارلیمنٹ کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور ۱۶۴۹ء کی بغاوت میں بادشاہ کا سر قلم کر دیا گیا۔ اور قوم نے جمہوریت کا اعلان کیا۔ اب انگلستان کا کوئی بادشاہ ربّانی حقوق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

کہا جاتا ہے کہ جدید ریاستوں میں برطانیہ ہی وہ جدید ریاست ہے جہاں آئینی حکومت کا سب سے پہلے ظہور ہوا۔ اور برطانیہ نے دنیا کے تمام ممالک کے نظام حکومت کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔

"In England the ultimate legislator is parliament, for in our traditional constitutional theory parliament is sovereing".[60]

برطانیہ میں پارلیمنٹ کو قانون سازی کے غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ پارلیمنٹ اور مقنّنہ کے ذریعے جو قانون سازی کی جاتی ہے سالمنڈ اسے سپریم لیجیسلیشن سے تعبیر کرتا ہے[61]۔

بینتھم اپنی کتاب "Fragment on Government" اور آسٹن اپنی کتاب (Province of Jurisprudence Determind) میں ہر قانون کو واضع قانون کا ایک حکم قرار دیتے ہیں، جس سے باشندگان ملک پر ایک فرض عائد ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کی حالت میں سزا کا خوف دلایا جاتا ہے[62]۔ انگلستان کے اصول قانون کے متعلق مشہور روایات میں سے ایک یہ ہے کہ فیصلہ جات اور نظائر کا وجود قواعد، اصول اور امتیازات سے مقدم ہے[63]۔ "تاریخ دستور انگلستان" کے مصنف کے مطابق:

> "دستور انگلستان کی تاریخ سے بخوبی ثابت ہے کہ محض اتفاقات کی بنیاد پر اس کا وجود ہوا اور اس کا زیادہ تر حصہ رسوم رواج و معمول پر مبنی ہے۔ دستور انگلستان غیر مکتوبی (غیر موضوعہ) ہے، اس لیے وہ ترمیم اور ضرورت کے لحاظ سے تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس میں تغیرات اساسی، معمولی وضعی قوانین کے ذریعے سے عمل میں لائے جاتے ہیں"[64]۔

مختصر یہ کہ برطانیہ کا موجودہ آئین غیر تحریری ہونے کے باوجود اصول قانون کے ارتقاء کے حوالے سے دنیا کا قدیم آئین مانا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں قانون سازی کا سب سے اہم اور براہِ راست ذریعہ پارلیمنٹ کو تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے قوانین دیگر تمام قوانین پر برتر سمجھے جاتے ہیں۔

۴۔ امریکن لاء میں اصول قانون

امریکہ کا نام امریگو ویسپاسی[65] کے نام پر رکھا گیا۔ امریکہ کے اصول قانون کو آئینی تاریخ کے حوالے سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے[66]: ۱۔ نو آبادیاتی دور (کالونیوں کا دور) ۲۔ جدوجہد آزادی کا دور ۳۔ کنفیڈریشن کا دور ۴۔ موجودہ آئین سازی یا قیام وفاق کا دور۔

۱۷۶۳ء میں امریکہ اور برطانیہ کے درمیان اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے تو معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے برطانیہ نے امریکی کالونیوں پر مختلف قسم کے ٹیکس کے قوانین عائد کر دیئے۔ امریکہ میں اعلان آزادی کے ساتھ ہی براعظمی کانگریس نے ۱۶ نومبر ۱۷۷۷ء کو ایک "نیم وفاق" (Confederation) کی تجویز تیرہ (۱۳) امریکی ریاستوں کے تحت دی۔ جس کی توثیق کے بعد امریکہ کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ (United State of America) کا نام دیا گیا۔ اس میں شامل ریاستوں کو آزاد اور خود مختار قرار دیا گیا۔ اس کنفیڈریشن کے محدود اختیارات کے باعث ٹیکس لگانے کا اختیار حاصل نہ تھا۔ بقول پروفیسر منرو:

> "It was weak because it lacked four things which ever strong national Government must possess: the power to tax to borrow, to regulate commerce, and army for (67)to maintain an . common defence''
>
> (یہ تنظیم بہت کمزور تھی کیونکہ اس میں ان چار باتوں کی کمی تھی جو ہر ایک مضبوط قومی حکومت کے پاس ہونی چاہئیں۔ یہ چار باتیں ٹیکسوں سے روپیہ حاصل کرنا۔ قرض لینا، تجارت کو منظم کرنا اور ملک کی حفاظت کے لیے مسلح فوج کا قیام ہیں)

ولسن کے خیال میں:

> "It was given absolutely no executive power, and we therefore were helpless and (68) . contemptible"
>
> (اسے عاملہ کے اختیارات نہیں دیئے گئے تھے۔ اس لیے ہم بے یارو مددگار اور بے اختیار تھے)۔

چونکہ نیم وفاق (کنفیڈریشن) میں بہت سی خامیاں تھیں اس لیے فلاڈلفیا (Philadelphia) کے مقام پر جارج واشنگٹن کی صدارت میں ایک آئینی کنونشن منعقد ہوا۔ اس میں ریاست ورجینیا کے منصوبے کو پیش کیا گیا۔ اس کی چھوٹی ریاستوں نے مخالفت کی۔ بعد ازاں ولیم پیٹرسن نے نیو جرسی پلان پیش کیا۔ جس کی بڑی ریاستوں نے مخالفت کی۔ اور بالآخر جارج واشنگٹن کے ذاتی اثرورسوخ سے اس کنیکٹیکٹ (Connecticutt) کو منظور کر لیا گیا۔ آخر کار ۱۵ ستمبر ۱۷۸۷ء کو آئین منظور کر لیا گیا۔ اور اب تک ۲۵ ترامیم کے ساتھ یہی آئین امریکہ میں کارفرما ہے۔ مسٹر ہیگوڈاس اس آئین کو موجودہ تہذیب کا پہلا عجوبہ

قرار دیتے ہیں[69]۔ اور جدید دستاویز میں امریکی آئین کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ جو کہ بہت سے دیگر ممالک کے لیے قابل تقلید بھی ہے۔ منرو کے مطابق متحدہ ریاست کی حکومت بہت سی وجوہات سے لائق مطالعہ ہے[70]۔

در حقیقت یہ آئین اختصار کا نمونہ ہے جس میں صرف چار ہزار الفاظ ہیں، جو دس بارہ مطبوعہ صفحات ہیں جسے صرف آدھے گھنٹے میں پڑھا جا سکتا ہے[71]۔ اگرچہ یہ بہت ہی مختصر مگر روایات، عدالتی فیصلوں اور رسم ورواج سے بھرپور ہے۔ دستور میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ جب حالات کا تقاضا ہو وقتاً فوقتاً اس میں تبدیلی یا ترمیم کی جا سکے[72]۔ اور ہر امریکی یہ حق رکھتا تھا کہ قانون کا سہارا لے کر حکومت کے بڑے سے بڑے فیصلے کو رد کرا دے[73]۔ اور امریکی آئین کے تحت وفاقی نظام حکومت قائم ہے۔ سٹرانگ کے مطابق :

> "The Constitution of the United States is the most completely federal constitution in the world…Federalism, namely, is the supremacy of the constitution, the distribution of powers and the authority of the .
>
> Federal judiciary" [74]

(متحدہ امریکہ کا آئین دنیا کا سب سے زیادہ مکمل وفاقی آئین ہے۔۔۔ وفاقیت سے مراد آئین کی برتری، تقسیم اختیارات اور وفاقی عدلیہ ہے)۔

امریکی آئین کی کامیابی اور ترقی کی وجہ سے برائس نے کہا ہے:

> "It ranks above every other written constitution" [75]

(یہ مرتبے میں ہر تحریری آئین سے برتر ہے)۔

۵۔ اسلامی قانون میں اصول فقہ

دنیا کی تاریخ قانون میں مختلف قوموں نے اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ کیا ہے۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ غالباً اصول فقہ ہے۔ مسلمانوں سے پہلے بھی دنیا میں قانون موجود تھا لیکن اصول فقہ جیسی چیز دنیا میں کہیں نہیں ملتی اور آج بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک امتیازی اضافہ ہے، جس کی بدولت علم قانون کی ایک بڑی کمی پوری ہو گئی ہے۔ سب واقف ہیں کہ قانون دنیا کی ہر قوم میں ملتا ہے۔ یہ قانون دو قسم کے رہے ہیں۔ انتہائی تاریک زمانوں سے لے کر آج تک اوّل تو بن لکھا قانون ہمیں ہر جگہ ملتا ہے یعنی رسم ورواج جو ہر ایک ملک میں پایا جاتا ہے۔ جس کا مؤلف یا قانون ساز ہمیں معلوم نہیں ہوتا لیکن اس پر سب لوگ عمل

کرتے ہیں۔ دوسرا قانون وہ ہوتا ہے، جو کسی بادشاہ یا کسی حکمران کی طرف سے مدون کر کے نافذ کیا جاتا ہے اور بالعموم تحریری صورت میں ہمیں ملتا ہے [76]۔

مغربی فلسفہ قانون کے ماہرین انسانی قانون کے ارتقاء کی جو تاریخ بیان کرتے ہیں جزوی اختلاف [77] سے قطع نظر قدرِ مشترک یہ نظریہ ہے کہ انسانی اجتماعیت کی بالکل ابتدائی صورت یعنی خاندانی اور قبائلی زندگی کے آغاز ہی سے قانون کی ابتداء ہو گئی۔ اس کی ابتدائی اور عملی صورت یہ تھی کہ خاندان کے سربراہ یا قبیلے کے سردار کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ہی قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ابتدائی معاشروں میں بھی قانون کا نظریہ کسی حد تک پایا جاتا تھا۔ اس ضمن میں زمانہ قبل مسیح (۲۰۸۱۔۲۰۸۴) میں آسریہ اور بابل کے حکمران بادشاہ کے مجموعہ تعزیرات (جسے تعزیرات حمورابی کا نام دیا جاتا ہے) کو بطور مثال پیش کیا جاتا ہے [78]۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ [79] لکھتے ہیں:

> "جہاں تک تحریری قانون کا تعلق ہے، غالباً قدیم ترین قانون جو ہم تک پہنچا ہے وہ حمورابی بادشاہ کا ہے، یہ عراق کا بادشاہ تھا اور جدید ترین مغربی تحقیقات کے مطابق یہ وہی شخص ہے جسے ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کہا جاتا ہے" [80]۔

اسلام کے قانون اور فلسفہ قانون وغیرہ سے متعلق مباحث دوسری صدی ہجری کے آغاز ہی میں شروع ہو گئی تھی اور فقہاء نے ان مباحث پر خاطر خواہ اور نتیجہ خیز گفتگو بھی کی جو مغربی اصولِ قانون میں انیسویں بیسویں صدی میں موضوعِ بحث بنی ہیں اس طرح مسلمان فقہاء نے عمومی اصولِ قانون کی بنیاد مغربی اصولِ قانون سے بہت پہلے دوسری صدی ہجری میں رکھ دی تھی۔

اُصول قانون کے ارتقاء کے حوالے سے سب سے پیچیدہ مسئلہ مصدر قانون کا ہے جس کے بارے میں دو نظریے بنیادی جانے جاتے ہیں [81]:

۱۔ قانون کا مصدر خارج میں ہوتا ہے یعنی خارج سے ایک بااقتدار ہستی اسے لوگوں پر نافذ کرتی ہے۔

۲۔ قانون کا مصدر خارج میں نہیں، بلکہ یہ معاشرے کے اندر ہی سے جنم لیتا ہے۔

اسلامی قانون میں یہ دونوں ہی تصورات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اسلامی قانون کا آغاز نزول قرآن حکیم سے ہوتا ہے۔ اور اسلامی قانون کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

قانون کا آغاز نہیں بلکہ اس کی تکمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی ہے(82)۔

اسلامی قانون کے تاریخی ارتقاء کے مختلف ادوار ہیں جو عہد نبوی ﷺ سے لے کر مجلۃ الاحکام الشرعیہ کی تدوین کے زمانے سے لے کر آج تک متعین ہوتے ہیں(83):

اسلامی قانون کے آغاز وارتقاء کے سلسلے میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں پایا جاتا کیونکہ یہ کسی ایک یا چند انسانوں کا خود ساختہ قانون نہیں ہے بلکہ خود خالقِ کائنات کا عطا کردہ قانون ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر عبد القادر عودہ شہید(84) لکھتے ہیں:

> ''ایسا نہیں تھا کہ ابتدائی حالت میں شریعت چند مختصر سے قواعد، متفرق و منتشر اصول اور ابتدائی اور نامکمل نظریات کا نام رہا ہو، پھر ان میں تنظیم اور پختگی پیدا ہوئی ہو۔اس کی تخلیق کسی بچے کی حیثیت سے نہیں ہوئی کہ اس میں آہستہ آہستہ تبدیلیاں ہوئی ہوں بلکہ وہ تو اپنے یومِ پیدائش ہی سے پورے شباب کو پہنچی ہوئی تھی۔اللہ تعالیٰ نے اسے ہر نقص سے پاک، کامل، ہمہ گیر اور جامع ومانع صورت میں اتارا''(85)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہادات بھی اسی ضمن میں سامنے آئے ہیں یہ اجتہادات مطلق نہ تھے، بلکہ اپنی آخری صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وتوثیق کے محتاج تھے۔جب حضرت علیؓ قاضی بن کر یمن گئے تو ایک مقدمہ میں فریق مخالف نے ان کے فیصلے کو اس وقت تک ماننے سے انکار کر دیا، جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توثیق نہ فرمادی۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلے کی توثیق وتحسین فرمائی تو فیصلہ نافذ کیا گیا(86)۔

امام الحرمین جوینیؒ فرماتے ہیں:

> ''ہمیں قطعیت سے یہ بات معلوم ہے کہ جن حوادث وواقعات میں صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ اور فیصلے صادر ہوئے وہ قرآن وحدیث کے منصوصات سے بہت زیادہ بلکہ بے حد وبے شمار ہیں۔صحابہ کرامؓ تقریباً ایک صدی تک ایسے مسائل میں قیاس کرتے رہے''(87)۔

اصول قانون کی تدوین اور ارتقاء کے نتیجے میں اجماع اور قیاس کے اصول وضع ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کتنے ہی واقعات ایسے پیش آئے جو ثابت شدہ نصوص کے دائرہ میں نہیں آتے تھے، انہوں نے ایسے غیر منصوص مسائل پر کچھ ایسی شرطوں کی بنیاد پر قیاس کیا، جن سے دونوں طرح کے واقعات کا ہم مثل ومشابہ ہونا متعین ہو جاتا ہو اور یہ ظن غالب ہو جاتا ہے کہ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کا حکم ایک ہی ہو گا۔ یہ طریقہ استدلال صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ایک دلیل شرعی قرار پایا ہے۔ جسے "قیاس" کہتے ہیں[88]۔

استنباط احکام کے قوانین کا ایک بڑا حصہ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے حضرت ابن عباسؓ نے " خاص اور عام کا نظریہ پیش کیا، بعض دیگر صحابہ کرامؓ سے "مفہوم" کا نظریہ مذکور ہے "[89]۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں طاعون کا معاملہ [90] اور ارض سواد کا قضیہ [91]۔ عہد خلفائے راشدین کے بعد تابعین کے دور میں اجتہاد واستنباط کا دائرہ مزید وسیع ہو گیا۔ چنانچہ مختلف مکاتب فقہ وجود میں آئے۔ مثلاً مدینہ منورہ میں سعید بن المسیبؒ[92] عراق [93] میں حضرت علقمہؒ[94] اور کوفہ [95] میں حضرت ابراہیم نخعیؒ[96] وغیرہ نے استنباط کے اصول وقواعد کی مدد سے مسائل کا حل نکالا [97]۔

تابعین کے بعد آئمہ مجتہدین نے اصول قانون مدون کیے۔ کہا جاتا ہے کہ اُصول فقہ پر سب سے پہلے امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ[98] نے کتاب تالیف کی لیکن وہ کتاب ہم تک نہ پہنچ سکی، علماء کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ اس علم کو سب سے پہلے جس نے مدّون کیا اور اس پر باقاعدہ کتاب تصنیف کی، وہ امام محمد بن ادریس الشافعیؒ(م ۲۰۴ھ) ہیں[99]۔ اس موضوع پر انہوں نے اپنا مشہور اصولی رسالہ تصنیف کیا، اس میں انہوں نے قرآن مجید، احکام کی توضیحات، سنت سے قرآن کی تفسیر، اجماع، قیاس، ناسخ ومنسوخ، امر ونہی، خبر واحد سے استدلال وغیرہ جیسے اصولی موضوعات پر گفتگو کی ہے[100]۔ الغرض علم اصول فقہ کی تدوین کے سلسلے میں امام الشافعیؒ کا وہی مقام ہے جو مشائین کی منطق وضع کرنے کے بارے میں ارسطو کا مقام ہے[101]۔

امام شافعیؒ کے بعد امام احمد بن حنبلؒ نے اس علم پر تالیفات کیں۔ مثلاً علم ناسخ ومنسوخ اور علل پر تحریر کیں۔ اس طرح امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ نے دوسری صدی کے اوائل میں رائے، استنباط، اجتہاد اور استحسان جیسے اہم اصولی مسائل ومباحث پر تحریریں مرتب کیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے کتاب الرائے لکھی۔ امام مالکؒ قیاس اور خبر واحد، اجماع اور عمل اہل مدینہ اور اختلاف فقہاء جیسے خالص اصولی مسائل پر، امام لیثؒ بن

سعدؒ[102] نے انہی مسائل پر امام مالکؒ کے جواب میں اور شیعہ مورخین کے بقول امام باقرؒ[103] اور امام جعفر صادقؒ[104] نے بعض اہم اصولی مسائل پر تحریری کاوشیں چھوڑیں۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں امام الشافعیؒ نے "الرسالة" مرتب کی۔ یوں تصنیفات و تالیفات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا[105]۔

جب دولت عثمانیہ میں شرعی عدالتوں کے بجائے سرکاری عدالتوں کا آغاز ہوا تو علماء کی مجلس کی مدد سے فقہ حنفی معاملات سے متعلق احکام کا ایک مجموعہ بنام "مجلة الاحكام الشرعية" کے نام سے ترتیب دیا گیا اور شعبان ۱۲۹۳ء میں سلطان نے فرمان جاری کیا کہ آئندہ اسی مجموعہ کے مطابق عمل کرنا لازم ہو گا اور سرکاری عدالتوں میں اس کے موافق کاروائی کی جائے گی[106]۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں نے علم قانون کو اپنے اجتہاد فکر کی بدولت اس طرح مدّون کیا کہ اسلامی قانون کو اس کے قانون ساز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی کے باعث کوئی دشواری پیش نہ آئی اور آج بھی اسلامی قانون اس اصول کی وجہ سے اپنی جگہ محفوظ اور ہر دور میں قابل عمل ہے[107]۔

تقابلی جائزہ

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ اسلامی قانون، قانون روما سے ماخوذ ہے۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے، کولینیٹ (Collinet) نے کہا ہے کہ جسٹی نین نے ۱۶ جولائی ۵۵۱ء کو بیروت کا آخری رومن اسکول بھی بند کر دیا تھا۔ اور اس کے سو سال بعد ۶۳۵ء میں عربوں نے شام و عراق فتح کیا۔[108]

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر گب (H.R.A.Gibb) شریعت کے آزادانہ ارتقاء کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وہ عام اصول، جن پر فقہ اسلامی کی بنیاد ہے۔ فقہاء روم کے اصول و قواعد سے بالکل الگ ہیں"[109]۔ نیز یہ کہ پہلی دو صدیوں میں فقہاء کی کوششوں سے وہ شاندار عمارت تیار ہوئی، جس کا تاریخ میں کوئی مقابل نہیں[110]۔ ولسن اسلامی قانون کے ارتقاء کے حوالے سے کہتے ہیں:

> "عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آغاز اسلام کے وقت مشرق میں قانون روما شروع سے رائج ہی نہ تھا اور مشرقی روایات اور پادریانہ تحکیمات کا دور دورہ تھا، قانون روما کا احیاء صدیوں بعد نشاۃ ثانیہ میں شروع ہوا"[111]۔

مغربی مفکرین کی رائے میں علم و حکمت کا ہر موتی یونان ہی کے صدف کا مرہون منّت ہے چنانچہ علم اصول قانون یا جورس پروڈنس کے آغاز پر گفتگو کرتے ہوئے بھی ان کی نگاہ مکالمات افلاطون اور تصنیفات ارسطو پر ہی پڑتی ہیں۔ افلاطون کی " جمہوریہ " میں سقراط کی زبان سے قانونی اہمیت کے اعتراف اور پابندی

کے لزوم وغیرہ کے بارے میں جو گفتگوئیں اور اشارے دیئے گئے ہیں۔ انکا حوالہ لے کر علم اصول قانون کا آغاز یونان سے ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ قدیم یونانیوں کی تحریروں میں عدل وانصاف کی دیویاں اور طاقت وحکومت کے دیوتا تو بولتے نظر آتے ہیں۔ وہاں یونانیوں کے مشرکانہ اساطیر کے قصوں میں دیوتا تو چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کے مکالمات سے اصول قانون یاجورس پروڈنس کے تصورات برآمد کرنے کا دعویٰ کرنا نہ صرف تاریخی طور پر بے بنیاد بات ہے، بلکہ ایک مضحکہ خیز جسارت بھی ہے[112]۔

امریکہ اور برطانیہ دونوں کے آئین بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ امریکہ کا آئین تحریری اور غیر لچکدار ہے جبکہ برطانیہ کا آئین غیر تحریری اور لچکدار ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ہاں قانون سازی کا طریقہ کار بھی مختلف ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنے ایک مقالہ "تاریخ قانون میں مسلمانوں کا حصہ" میں تحریر کرتے ہیں: "آج کل کہا اور پڑھایا جاتا ہے کہ قانون کی تعمیل اس لیے کرنا چاہیے کہ وہ ملک کے مقتدر اعلیٰ (بادشاہ یا پارلیمنٹ) کا حکم ہے۔ اور اگر اس کی تعمیل نہ کریں تو وہ ہمیں پولیس، فوج اور عدالت کی مدد سے مجبور کرے گا کہ اس کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے، لیکن بیان میں کئی خامیاں ہیں۔ پہلی یہ کہ قانون کا بعض لوگوں پر اطلاق نہیں ہو سکتا مثلاً قانون انگلستان یہ کہتا آیا ہے کہ وہ اور دیگر مغربی قوانین بھی، غیر ملکی سفیروں وغیرہ کو مقامی عدالت کے اختیار سماعت سے باہر مانتے ہیں۔ دوسری خامی یہ ہے کہ اس کے خلاف ضد جبر ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے فرائض کو چھپائے اور قانون کی زد میں نہ آئے"[113]۔ اس کے برعکس دیکھا جائے تو اسلامی قانون کی تعمیل کی اساس قانونِ خداوندی ہے۔ جس کے تحت اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اور روزِ جزا ہمیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

تاریخ دستور میں تحریری دستور حکومت صرف اسلام کا ہے۔ اگر چہ یونانی ارسطو کے دستور "ایتھینز" کو دستورِ مملکت کہا جا سکتا ہے لیکن یہ وزیروں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ کسی حکمران کی طرف سے نافذ کردہ آئین نہیں ہے۔ مزید برآں ارسطو کی کتاب میں شہری مملکت "ایتھنز" کے دستور کی تاریخ اور ارتقاء بھی بتایا گیا ہے۔ گویا یہ ایک درسی اور تاریخی کتاب ہے، قانونی دستاویز نہیں ہے۔ ارسطو سے پہلے سولن[114] کا کارنامہ بھی اس ذیل میں نہیں آتا۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ سولن ملک کا واحد حکمران نہیں تھا۔ بلکہ یہ بھی کہ اس نے اپنے وطن کے دستور میں صرف چند ترمیمیں کیں، سارا دستور مدون اور نافذ نہیں کیا۔

زمانہ حال میں انگریزوں کا میگنا کارٹا جن حالات میں بھی مرتب ہوا ہو، وہ بہر حال ۱۲۱۵ء میں وجود میں آیا۔ فرانسیسی اور امریکی دستور تو اور بھی بعد کے ہیں۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور

مملکت مدینہ جو ۶۲۲ء کے غالباً ماہ جون میں مدون اور نافذ ہوا، دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور مملکت کہا جاسکتا ہے[115]۔ یورپ میں ہر قانون کی بنیاد رسوم ورواج اور روایات کو مانا جاتا ہے۔ جبکہ اسلامی قانون کی اصل بنیاد وحی الٰہی ہے۔ اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ... یہ قانون بنیادی طور پر ایک غیر سرکاری قانون ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جس کے بنانے، مرتب کرنے اور اس کو توسیع دینے میں کبھی کسی ریاست کی مداخلت نہیں ہوئی، اس قانون کی تکمیل میں ، اس کے نفاذ میں حتیٰ کہ اس کے "لیجسلیٹ" کرنے میں ریاست کا کبھی بھی براہ راست دخل نہیں رہا۔ یہ قانون خود بخود غیر سرکاری طور پر ایک خالص پرائیویٹ قانون سازی کے نتیجے میں سامنے آیا ہے۔ بظاہر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ کوئی قانون ریاست سے بالا محض پرائیویٹ قانون سازی کے نتیجے میں تیار ہو جائے لیکن اسلامی قانون کا مزاج یہی ہے کہ وہ اپنے روز آغاز سے لے کر اپنی پوری تاریخ کے دوران ریاست کی مداخلت اور بڑی حد تک سرکاری اثرات سے آزاد رہا۔ آج بھی ایک حد تک پرائیویٹ قانون ہے۔ اس کے متعدد شعبوں میں آج بھی پرائیویٹ طور پر عمل درآمد ہو رہا ہے اور غیر سرکاری اہلِ علم اجتہاد اور افتاء کے ذریعہ ضروری مسائل میں "قانون سازی" کر رہے ہیں[116]۔

اسلام میں قانون سازی کا یہ فریضہ کسی ریاستی پلیٹ فارم یا کسی سرکاری ادارے کو دینے کی بجائے اصحاب علم و تقویٰ، مجتہدین وفقہاء کو سونپا گیا ہے جو اپنے علم و فن کی روشنی میں رہنمائی کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے موقع پر علم کو چھپانے اور مطلوبہ رہنمائی نہ فراہم کرنے والے عالم کو "گونگا شیطان" قرار دیا۔ اور قانون سازی کا یہ طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے ہی شروع ہو گیا تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل ریاست کے قانون کے اُصول ومبادی بیان فرمادیئے تھے۔ لیکن اس کے برعکس آج مغرب نے قانون سازی کی یہ آزادی سلب کر کے اہلِ علم اور عامۃ الناس باکردار لوگوں کے ہاتھوں سے چھین کر یہ اہم ترین فریضہ ایک مفاد پرست طبقہ کے ہاتھ میں تھما دیا ہے۔ جن مجتہدین کے اجتہادات اور جن مفتیوں کے فتوے اُمت میں مستند اور معتبر ٹھہرے اور جن کی قانون سازی کو عدالتوں کے ججوں سے لے کر عامۃ الناس نے قبول عام سے نوازا، وہ سب کے سب نہ صرف پرائیویٹ شہری تھے اور کوئی سرکاری منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ اپنے اپنے معاصر حکمرانوں کی نظر میں ناپسندیدہ شخصیت بھی تھے۔ امام ابو حنیفہؒ جن کو دنیا کی تاریخ کے چند عظیم ترین قانونی دماغوں میں شمار کیا جاتا ہے اور جن کی تعبیر قانون کو دنیائے اسلام کا دو تہائی کے قریب حصہ تسلیم کرتا آیا ہے

،کسی پارلیمنٹ کے رکن نہیں تھے امام احمد بن حنبلؒ جن کے فقہی اقوال آج سعودی عرب میں قانون کی حیثیت سے نافذ ہیں۔ ان کو کسی حاکم نے قانون سازی کے کام پر مامور نہیں کیا تھا۔ امام جعفر صادقؒ کسی لاء کمیشن کے رکن نہیں تھے[117]۔

علمِ قانون کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ مختلف قوموں کے ہاں اصولِ قانون کو مرتب کرنے میں ہزاروں برس[118] لگے، لیکن مسلمانوں کے ہاں فقہ اور اصولِ فقہ کا سفر ایک ساتھ شروع ہوا اور دونوں کا آغاز اور ارتقاء بھی ایک ساتھ ہوا۔ امام شافعیؒ نے ان اصولی مسائل پر جو پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں دنیائے اسلام میں زیرِ بحث تھے انہیں اپنی کتاب ''الرسالۃ'' میں تحریر کیا۔ ''الرسالۃ'' اصولِ قانون کے موضوع پر اولین اور قدیم ترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں اسلامی قانون کا وہی تصور ہے جو معاصر فقہاء کی کتابوں میں موجود ہے۔ سب نے باالتفاق اصولِ قانون کا مقصد حکمِ شرعی کی معرفت قرار دیا ہے اور سب کے نزدیک اسلامی قانون سے مراد حکمِ شرعی ہے[119]۔

خلاصہ بحث

خلاصہ بحث یہ کہ اسلامی اور مغربی اصولِ قانون کے ارتقاء کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی قانون کی نوعیت اور مزاج کلی طور پر مغربی قوانین سے مختلف ہے، جزوی مشابہت تو ممکن ہے لیکن مجموعی لحاظ سے دونوں میں کسی قسم کی مماثلت نہیں ہے اور یہ مماثلت ممکن بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اسلامی قانون خالقِ کائنات کا عطا کردہ قانون ہے جبکہ مغربی قانون انسان کا خود ساختہ قانون ہے، اس لحاظ سے دونوں کا پسِ منظر اور ارتقاء ایک دوسرے سے مختلف ہے[120]۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اصول قانون کی تشکیل میں مسلمانوں کا کردار رخِ روشن کی طرح عیاں ہے اور مسلمانوں نے مغربی اصول قانون (Jurisprudence) سے بہت پہلے اصول فقہ کو مدوّن کر کے عالمی سطح پر بحیثیت مجموعی اصول قانون کے ارتقاء میں اپنا مثبت کردار ادا کیا اور ان اُصول فقہ کا اصل مقصد و منشاء صرف اُن احکام شرعیہ کی معرفت حاصل کرنا ہے جن پر دنیاوآخرت کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔

نتائج

مقالہ ھٰذا سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاتے ہیں:

۱۔ اصول قانون سے مراد وہ قواعد و ضوابط ہیں، جن کے ذریعے قانون سازی کے عمل کو منظم کیا جاتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ اُس وقت تک شائستہ اور تہذیب یافتہ نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کے معاشرے میں قانون سازی کے قواعد و ضوابط منظم طریقے سے موجود نہ ہوں۔

۲۔ اُصول قانون کی مدد سے ہر فرد یکساں و مساوی سلوک سیکھ لیتا ہے، نیز قوموں اور ملکوں کے تمدنی و معاشرتی مسائل ان کی مدد سے منظم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ اہلِ مغرب کے برعکس دین اسلام میں قرآن و سنت کے عین مطابق ہر معاملے سے متعلق واضح اور قطعی الدلائل احکامات پائے جاتے ہیں خصوصاً سیاست و حکومت کے متعلق ۔

۴۔ مغربی قوانین کے بر عکس اسلام کا قانون تمدن و معاشرت بہت افضل، جامع اور کامل ہے۔ جس کی ایک واضح مثال قانون نکاح و طلاق ہے۔

۵۔ چونکہ دین اسلام کا سرچشمہ و منبع وحی الٰہی ہے۔ اس لیے عملی اعتبار سے بھی اس کے نافذ کردہ قوانین میں تعارض نہیں پایا جاتا جبکہ اخلاقی اعتبار سے بھی اہل مغرب کے اُصول قانون تعارض کا شکار ہیں۔اس طرح اسلام ایک بھرپور، قابلِ عمل ضابطہ اخلاق اور نظامِ حیات عطا فرماتا ہے۔

۶۔ یہ دنیا کا واحد اور پہلا علم اصول قانون ہے جس کی تشکیل میں مسلمانوں کا کردار بھی نمایاں ہے۔جو کہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

۷۔ مسلمانوں نے مغربی اصول قانون (Jurisprudence) سے بہت پہلے اصول فقہ کو مدوّن کرکے عالمی سطح پر بحیثیت مجموعی اصول قانون کے ارتقاءمیں اپنا کردار ادا کیا۔ نیز اصول فقہ اور فقہ کا آغاز و ارتقاءایک ساتھ اور معلوم شدہ ہے۔

سفارشات

موضوع مقالہ کے حوالے سے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ اصولِ فقہ اور معاصر نظام ہائے قانون واصولِ قانون کا تقابلی مطالعہ ہونا چاہیے۔

۲۔ بنیادی ذرائع فقہ سے مکمل استفادہ کی غرض سے فقہ اسلامی اور اس کے متعلقہ علوم کے سابقہ عربی کام کا ترجمہ قدیم انداز میں ہوچکا ہے۔ لہٰذا نظر ثانی کرکے ان کو معیاری اور عام فہم بنایا جائے۔

۳۔ اردو اور انگریزی زبانوں میں بھی فقہ اسلامی اور اصولِ فقہ کے موضوع پر جدید اندازِ تحریر کے مطابق کتب تالیف کر کے عصر حاضر کے مطابق تنقیدی اور تقابلی انداز میں جائزہ لیا جائے تاکہ مغرب کے قانون وضعی اور اسلامی قانون کا فرق واضح ہو جائے اور اصول قانون کے ارتقاء میں مسلمانوں کی اولین اور نمایاں خدمات اجاگر ہوسکے۔

۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، جسٹس سر عبدالرحیمؒ اور عمران احسن خان نیازی کی تحریری کاوشوں کی طرح اصولِ فقہ کے مباحث کو انگریزی اصولِ قانون کے اسلوب میں بیان کرنے کی مزید ضرورت ہے تاکہ مغربی قانون دان، اسلامی قانون کو صحیح طور پر سمجھ سکیں۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ ابن خلدونؒ ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد ابن خلدون (یکم رمضان ۷۳۲ھ/ ۲۷ مئی ۱۳۳۲ء۔۲۵ /رمضان ۸۰۸ھ/۱۲ مارچ ۱۴۰۴) بطور مورخ اور بانی عمرانیات مشہور ہوئے۔ (خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ(م ۱۰۶۷ھ)، کشف الظنون عن أسامی الکتب و الفنون، بیروت، دار احیاءالتراث العربی، ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء ،ج: ۱ ،ص: ۲۵۴۔

2۔ ابن خلدونؒ، مقدمہ ابن خلدون، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب،، ۲۰۰۵ء،ج: ۱،ص: ۱۶۲۔

3۔ خالد مسعود، محمد، اصول فقہ کی تاریخ پر ایک نظر،ماہنامہ فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، جون ۱۹۶۵ء، شمارہ: ۱۲،ج: ۲ ، ص: ۷۵۹۔

4۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لفظ (Kanun) کے ضمن میں، لیڈن، ۱۹۷۸ء، ج: ۱۷، ص:۵۵۶۔

5۔ زبیدیؒ، محمد مرتضی الحسینی(م۱۲۰۵ھ)، تاج العروس من جواهر القاموس، بیروت: منشور دارالکلیۃالحیاۃ، (س۔ن)، ج: ۹، ص: ۳۱۵۔

6۔ یہ وہ اصول و ضوابط ہیں جو مذہب کے نام پر اہل چرچ نے بنا رکھے تھے۔

Canon , Curzon, L.B, A Dictionary of Law, (Mc Donald and Evans, 1979), P.45.

7۔ Dias, R.W.M, Jurisprudence, (Butterworths, London, 1985), Ed:5th, P.3.

8۔ سالمنڈ، سر جان(۱۹۲۴-۱۸۶۲ء) نیوزی لینڈ کا ماہر قانون دان اور جج جو قانون کا پروفیسر بھی۔ ۱۸۸۲ء میں یونیورسٹی کالج آف لندن سے گریجویشن کی اور ۱۸۸۷ء میں واپس نیوزی لینڈ لوٹا۔

Chambers Biographical (Melanic Parry, Edinburgh, 1997), P. 1626.

9۔ Salmond, Sir John, Jurisprudence, (London, 1946), Ed: 10th, P.41.

10۔ ارسطو، پولیٹکا (لندن، س۔ن) سبق نمبر ۴، سیکشن نمبر ۵۔ کتاب نمبر ۴

11۔ Every Man Encyclopeadia, (London, 1978.,) Vol,8,P.379.

12۔ الپیئن (Ulpian) ، (م ۲۲۹ء): روما کا ماہر قانون، ضابطہ قانونِ دیوانی کا بہت سا حصہ اس کی تحریروں پر مبنی ہے۔ (اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ج: ۱، ص: ۱۲۰۔

13۔ Menon, K.Krishna, Outlines of Jurisprudence, (Asia Publishing house London, N.Y, 1961), P.2.

14۔ بینتھم، جرمی (۱۷۴۸ء۔۱۸۳۲ء): انگریز فلسفی، افادیت پسندی کا بانی، ماہرِ قانون اور سماجی مصلح تھا۔

Dias , Ibid , P. 335.

15۔ Holland T.E ,The Elements of Jurisprudence, (Oxford University Press London), Ed: 3rd, P. 8.

16۔ جوہری، ابی نصر اسمٰعیل بن حماد، الصحاح، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۹ھ، ج: ۵، ص: ۱۷۵۲۔

17۔ عبد القادر ابن غیبیؒ: (۷۵۴ھ۔ ۱۳۵۳ھ)، مشہور گلوکار اور علم موسیقی کا ممتاز ایرانی مصنف تھا۔ (الکحالہؒ، عمر رضا، معجم المولفین، بیروت: دار صادر، (س۔ن)، ج: ۱۲، ص: ۱۷۴)۔

18۔ افلاطون (۳۴۷۔۴۲۷ ق م) : مشہور زمانہ یونانی فلاسفر، سقراط شاگرد اور ارسطو کا استاد تھا۔

Russel, Bertrand, History of Western Philosophy, (Gerge Allen 2 Unwin, Ltd , London, 1969) ,Ed, 5th ,PP.122-135.

19۔ ابن حزمؒ: ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم (۳۰ رمضان ۳۸۴ھ/۷ نومبر ۹۹۴ء تا ۲۸ شعبان ۴۵۶ھ/۱۵ اگست ۱۰۶۴ء) اندلس کا عالم دین، فقیہ، مورخ اور شاعر جو قرطبہ میں پیدا ہوا۔ ان کی تصانیف کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔

(خلیفہ، کشف الظنون، ص: ۳۴۸، الکحالہؒ، معجم المولفین، ج: ۹، ص: ۱۷۸)۔

20۔ ابن منظورؒ، جمال الدین محمد بن مکرم (م ۶۳۰ تا ۷۱۱ھ) علم نحف لغت ادب اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے، لسان العرب ان کی مشہور کتاب ہے (زرکلی، الاعلام، ج: ۷، ص: ۱۰۸)۔

21۔ ابن منظورؒ، جمال الدین محمد بن مکرم (م ۷۱۱ھ) ، لسان العرب، بیروت: دار احیاء التراث العربی، (س۔ن)، ج: ۱۳، ص: ۲۴۹، فیروز آبادی، محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم، القاموس المحیط، مصر: مکتب التجار التراث الکبری العربی ۱۹۵۳ء، ص: ۸۔

22۔ بھٹی، محمد اسحاق، مولانا۔ اسلام کا سیاسی نظام، کراچی: مجلس دعوت و تحقیق اسلام، ۱۹۸۱ء، ص: ۳۹۔

23۔ منیب الرحمٰن، اصول فقہ اسلام، لاہور: (س۔ن)، ص: ۳۹۔

24۔ بیضاویؒ: ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ، بن عمر بن محمد (م ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء یا ۶۹۲ھ/۱۲۹۳ء) ایک مشہور شافعی عالم دین اور مفسر بیضا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایک تفسیر "أنوار التنزیل وأسرار التاویل" کے نام لکھی جو "تفسیر البیضاوی" کے نام سے ہے۔ (الکحالہؒ، معجم المولفین، ص: ۳ / ۶،۴۵ / ۹۷)۔

25۔ اصفہانی، شرح المنہاج، ۱/۳۳، بحوالہ: شافعیؒ، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس، الرسالۃ، (دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۹ء)، ص: ۶۔

26۔ حسان، حامد حسین، اصول فقہ، دار الصدق، اسلام آباد، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۰

27۔ الزرقا، احمد مصطفیٰ، الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید، دمشق، س۔ن، ص: ف: ۲

28۔ باقلانیؒ: محمد بن طیّب بن جعفر باقلانی (۳۳۸ھ/۹۵۰ء۔ ۴۰۳ھ/۱۰۱۳) ایک بہت بڑے علم دین اور علم الکلام کے ماہر بصرہ میں پیدا ہوئے۔ حنبلی مسلک سے تعلق تھا۔ اشاعرہ میں ان کو اونچا مقام حاصل تھا۔ (الکحالہؒ، معجم المولفین، ج: ۱۰، ص: ۱۰۹)۔

29۔ ابن حاجبؒ: جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر الکروی (۵۷۱ھ ۔ ۶۴۶ھ)، عربی کا مشہور نحوی اور فقیہ مصر میں پیدا ہوا، متعدد کتب لکھیں۔ (الکحالہؒ، معجم المولفین، ج: ۶، ص: ۲۶۵)۔

30۔ آمدیؒ: علی بن ابی علی بن محمد الثقلی سیف الدین (۵۱۰ھ۔۱۳۱۰ھ) عراق کے شہر آمد میں پیدا ہوئے۔ مشہور فقیہ، اصولی اور فلسفی تھے۔ اصول الدین میں "الإحكام في أصول الأحكام" تحریر کی۔ خلیفہ، کشف الظنون، ص: ۲۴۷

31۔ شیرازیؒ: محمد بن یعقوب بن ابراہیم بن عمر مجد الدین الشیرازی کا شمار آئمہ لغت وادب میں ہوتا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "القاموس المحیط" ہے، (زرکلیؒ، الاعلام، ج: ۷، ص: ۱۴۶) مزید دیکھئے: ابن النجیمؒ، فتح الغفار بشرح المنار، محمد عبدالرحمن محلاوی، تسهيل الوصول فی علم الاصول، مصر: مصطفیٰ البابی الحلبی، (س۔ن)، ص: ا

32۔ شاشیؒ سمر قندی نظام الدین اسحاق بن ابراہیم (م ۳۲۵ھ یا ۹۳۷ء): فقیہ حنفی، مصر میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے، ان کی کتب میں "أصول الشاشي" معروف ہے۔ (زرکلیؒ، الاعلام، ص: ۳۶۵)۔

33۔ مولانا مودودیؒ نے ”قانون“ کو انہی معنوں میں لیا ہے۔ ملاحظہ ہو: اسلامی ریاست، طبع لاہور، ۱۹۷۹ء، ص: ۴۴۶۔

34۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 2002ء، ج: ۲، ص: ۲۵۔

35۔ سورۃ المائدہ، ۵ : ۵۰۔

38. Robson, ibid, P.7.

37۔ فرائیڈ مین (Friedmanne) (م ۱۹۳۸ء): نامور ماہر تعلیم تھا۔

Who is who in the West, (Chicago, U.S.A,1982-1983), P.246-247.

43۔ روم: اٹلی میں ایک دریا کا نام ٹائبر ہے جو شمال کی طرف سے آتا ہے۔ یہ دریا کبھی شاہراہ تجارت تھا۔ ولادت مسیح سے قبل تاجروں کی آمدورفت کی وجہ سے یہ شہر بن گیا، جو روم کہلاتا ہے اور یہ اڑھائی ہزار برس سے اٹلی کا دارالخلافہ ہے (برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، یورپ پر اسلام کے احسان، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ج: ا، ص: ۳۷)۔

44۔ امینی، محمد تقی، اسلامی قانون کا تاریخی پس منظر، (چراغ راہ، اسلامی قانون نمبر، جون ۱۹۸۵ء)، ج: ا، ص: ۳۱۹۔

45۔ مین، ہنری، سمز، قدیم قانون، مترجم مولوی مسعود علی، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، س۔ن، ص: ا۔۱۴۔

46۔ جسٹی نین (Justinian ۴۷۸ء۔۵۶۵ء) ۵۱۸ء میں بادشاہ ہوا اور رومن قانون کی تشکیل کی۔ (شمس تبریز خان، مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۳ء)، ص: ۱۰۹۔

47. Dovelecin, Taloulare.

48. Legesregiae, Senatusconsuita, Leges, Plebiscita, Constitutions.

49. Edicta Magistratum et Responsa Prudenti.

51. Papimanus, Ulpianus,Gaius, Paulus et Modestinus.

53. (i) Corpus Juris Civilis (ii) Seignobos, Antiquite Romain et moven ags, Paris, 1919.

47۔ مین، سر ہنری، سمز(۱۸۲۲ء۔۱۸۸۸ء)، انگریز ماہر قانون اور مورخ، مشہور تصنیف قدیم قانون(Ancient Law)ہے۔ Russel , Ibid, P.444.

48۔ مین، ہنری، قدیم قانون، ص: ا۔

49۔ ایضاً، ص: ۔۴۴۔

50۔ ایضاً ، ص: ۲۔

51۔ ایضاً ، ص: ۳۔۴۔

52۔ ایضاً ، ص: ۵۔

53۔ ایضاً ، ص: ۹ مزید دیکھیے، کرین برنٹن، کرسٹوفر، تاریخ تہذیب، ترجمہ و تحشیہ، مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س۔ن، ص: ۷۰۔۱۴۸۔

54۔ چیمبر۔اے، ایم، تاریخ دستور انگلستان، مترجم مولوی سید علی رضا، حیدر آباد۔ دکن: جامع عثمانیہ،، ۱۹۲۲ء، ص: ا۔

63. Munro, W.B. The Government of Europe, (London, 1931) Ed:2, P.1.

56۔ فاروقی، شجاع الدین، منتخب دساتیر کا تقابلی مطالعہ، نئ دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۴۔

57۔ کرین برنٹن، تاریخ تہذیب، ص: ۲۴۶۔

66. Adams, G.B, The Origin of English Constitution, (London, 1955), P.14.

68. Ogg, F.A, English Government and Politics, (New York, 1961), P. 23.

60۔ Muhammad Mumtaz, Ch. Principles of British Constitution, (Nadeem Law Book House, Lahore)، P.31

61۔ Salmond's Jurisprudence, P.139:تفصیل کے لیے دیکھیے

62۔ مین، قدیم قانون، ص: ۵۔۶۔

63۔ ایضاً، ص: ۷۔

64۔ چمبرز۔اے۔ایم، تاریخ دستور انگلستان، مترجم مولوی سید علی رضا، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، دکن، 1922ء، ص: ۲۔

65۔ امریگو ویسپاسی۔ یہ شخص اٹلی کا رہنے والا تھا۔ (احسن صدیقی، م۔ن، ص: ۱۳)۔

66۔ صدیقی، نعیم، پاکستان اور امریکی دستور، ایک علمی مطالعہ و تجزیہ، (ترجمان القرآن، لاہور، جولائی ۱۹۵۵ء)، ج: ۴۴، ص: ۶۱

82.Munro, W,B, The Government of the United States, (NewYork, 1947,Ed:5th), P.30.

83. Willson, W, The State, (London, 1900), P.459.

69۔ فاروقی، شجاع الدین، منتخب دساتیر کا تقابلی مطالعہ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1985ء، ص: ۱۸۲، Hagwood, G, Modern Constitution since 1787.

86. Munro, Ibid, P.13.

87. Munro, Ibid, P.53.

88. Franklin, Ibid P.77.

89. Ibid, P.77.

90. Strong,C.F, Modern Political Constitution, (London, 1972), Ed:8th, P.91.

91. Bryce, The American Commonwealth, (London, 18889), Vol.I, P.25.

76۔ حمیداللہ، خطباتِ بہاولپور، ص: ۹۹۔

77۔Pound, Rosco, An Introduction to the philosophy of law, (Yale University Press, U.S.A, 1953), PP.9-12

78۔ اصول قانون کے ارتقائی مراحل کی تفصیل کے لیئے ملاحظہ کریں۔ ہنری، سر سمزمین، دنیا کے قدیم قانون اور رواج، (حیدرآباد دکن، ۱۸۸۳)، ص: ۵۔۷۔

79 حمیداللہ، محمد، ڈاکٹر، (۱۹۰۸ء۔۲۰۰۲ء) دنیائے اسلام کا نامور محقق، اور دانشور ہے جس نے درویشی میں بے شمار تالیفات کے ذریعے دین اسلام کی عظیم خدمات سرانجام دی ہیں۔ دستور پاکستان بنانے میں سید سلیمان ندوی کے ساتھ کام کیا۔ (اصلاحی، ابو سفیان، ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی قرآنی خدمات، معارف اسلامی، بیاد ڈاکٹر حمیداللہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، جولائی ۲۰۰۳ء تا جون ۲۰۰۴ء)، شمارہ: ۲، ج: ۲، ص: ۱)۔

80۔ حمیداللہ، خطبات بہاولپور، ص: ۹۹۔

98. i. Friedmanne, W.Legal Theory,

ii. Paton, Ibid, Pp.3,39,98. (London Ed:3rd), 100 FF,

iii. Allen, C.k, law in the making,(Oxford 1964), introduction.

82۔ اصلاحی، امین احسن، اسلامی قانون کی تدوین، لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۳۔

83۔ زرقاء، مصطفٰی احمد، اسلامی قانون کا تاریخی ارتقاء، چراغ راہ، اسلامی قانون نمبر، جون ۱۹۵۸ء، ج: ا، ص: ۳۵۰۔

84۔ عودہ، عبدالقادر، شہید (م دسمبر ۱۹۵۴ء) مصر کے جج تھے قانون کے تقابلی مطالعہ کے حوالے سے مشہور کتاب التشریح الجنائی الإسلامی لکھی۔ (غلام علی، اسلام کا قانونی نظام، ماہنامہ چراغِ راہ، اسلامی قانون نمبر، ج: ۱۲ شمارہ: ٦، ۱۹۵۸ء)، ج: ۳، ص: ۱۷۱۔

85۔ عودہ، عبدالقادر شہید، التشریح الجنائی الإسلامی، بیروت: دارالکاتب العربی، س ن، ج: ا، ص: ۱۵۔

86۔ محمد رضا، علی بن ابی طالب، بحوالہ امین، محمد، عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون، ص: ۵۷۔۵۸۔

87۔ جوینیؒ، ابو المعالی، عبد الملک بن عبد اللہ (م ۴۷۸ھ) ، البرھان فی أصول الفقه، بیروت: ادارالکتب العلمیہ، ص: ۱۱۷۔

88۔ ابن خلدونؒ، مقدمہ، ص: ۵۰۲۔

89۔نشار، علی شامی، ڈاکٹر، مناھج البحث عند مفکر الإسلام، بیروت۔ لبنان، س۔ن، ص: ۶۶۔

90۔ قسطلانیؒ، احمد بن محمد، إرشاد الساری شرح صحیح البخاری، بغداد، س۔ن، ج: ۸، ص: ۳۸۴۔

91۔ ابو یوسفؒ، یعقوب بن ابراھیم بن حبیب (م ۱۸۲ھ)، کتاب الخراج، قاہرہ، س۔ن، ص: ۲۷۔

مزید دیکھیے: یوسف، موسیٰ، محمد، الفقه الإسلامی، مصر: دارالکتاب العربی، ۱۹۵۸ء، ص: ۱۰۔۱۲۔

92۔ سعید بن المسیبؓ، ابو محمد، (۲ھ۔۹۴ھ) آپ کا شمار مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ہوتا ہے۔آپ بہت بڑے محدث اور امام تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے حق میں بیعت نہ کرنے پر کوڑوں سے بھی پٹوایا گیا۔ (i) ذھبی، تذکرۃ الحفاظ، ج: ۴، ص: ۲۱۷۔۲۴۶ (ii) ابن سعدؒ، طبقات ابن سعد، ج: ۵، ص: ۱۱۹

93۔ عراق: رقبہ ۱۷۱۶۰۰، مربع میل، آبادی دو کروڑ پچیس لاکھ، دارالحکومت بغداد ہے۔ دریائے دجلہ اور فرات کا درمیانی علاقہ ہے۔ (حمویؒ، معجم البلدان، ج: ۷، ص: ۹۳۔۹۵)۔

94۔ علقمہؓ بن قیس (م ۶۲ھ) عراق میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ بعض کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ سے فتوے لینے آتے تھے۔ (خضرمی، محمد، تاریخ التشریح الإسلامی ، مترجم: مولانا عبدالسلام ندوی، تاریخ فقہ اسلامی، لاہور: ادارہ نشریات اسلام، س۔ن، ص: ۱۷۵۔

95۔ کوفہ: عراق کا مشہور تاریخی شہر جو دریائے عرفات کے مغربی کنارے پر تھا۔ ۶۳۸ھ میں حضرت عمرؓ کے دور میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ (حمویؒ، معجم البلدان، ج: ۴ ، ص: ۴۹۰۔۴۹۴)۔

96۔ ابراہیم نخعیؓ: ابو عمران ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی (۵۰ھ۔ ۶۷۰ء/۹۷ھ ۷۱۵ء) تابعی تھے۔ کوفہ کے ممتاز فقیہ تھے۔ ابن سعدؒ، ابو عبد اللہ محمد (۲۳۰ھ) الطبقات الکبریٰ، بیروت: دار صادر۔ س۔ن، ج: ۶، ص: ۱۱۸۔۱۹۹۔

97۔ مزید دیکھیے : (i) ابوزہرہ، اصول الفقہ دار الفکر العربی، بیروت، لبنان، 1908ء، ص: ۱۰۔۱۲ (ii) صدیقی، ساجد الرحمٰن، فقہ اسلامی کا تاسیسی پس منظر، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، 1992ء، ج: ۱ ، ص: ۱۰۔

98۔ امام ابو یوسفؒ ، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتہ (۱۱۳ھ/۷۳۱ء۔ ۵ربیع الاول ۱۸۲ھ/ ۲۷ اپریل ۷۹۸ء) فقیہ، محدث، مورخ، حنفی دبستان کے امام اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد خاص تھے۔ اور معروف تصنیف "کتاب الخراج" ہے۔ ابن ندیمؒ، الفھرست، بیروت لبنان، س۔ن، ص: ۲۰۳

99۔ علامہ محمد شہابیؒ خراسانی نے اپنی تصنیف "فوائدالأصول" کے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ علامہ شیخ محمد علی کاظمی خراسانی کی تقریروں میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ ابن خلکانؒ، ابن خلدونؒ اور حاجی خلیفہؒ نے یہ تصریح کی ہے کہ اصول فقہ کے موضوع پر سب سے پہلے امام محمدؒ بن ادریس شافعی نے کتاب تصنیف کی لیکن میرے نزدیک قرین قیاس یہی ہے کہ

امام ابو یوسفؒ یعقوب بن ابراہیم نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب تصنیف کی تھی۔ (زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ترجمہ جامع الاصول، مترجم ڈاکٹر احمد حسن، مجتبائی، س۔ن، ص: ۳۹)۔

100۔ ایضاً، ص: ۳۹۔

101۔ ابو سلیمان، عبدالوہاب ابراہیم، ڈاکٹر، الفکر الأصولی، دارالفکر العربی، س۔ن، ص: ٦٦۔

مزید دیکھیے: (i) ابوزہرہ، محمد، محاضرات فی أصول الفقه الجعفری، قاہرہ: س۔ن، ص: ۲۲، (ii) الشاذلی، حسن علی المدخل للفقه الإسلامی، کویت: ۱۹۷۷ء، ص: ۱۲۔

102۔امام لیث بن سعد: ابو الحارث اللیث بن سعدؒ بن عبدالرحمٰن الفہمی، قلقشندہ، مصر میں، (۹۴ھ/ ۷۱۳۔ ۱۷۵ھ/ ۷۱۹) پیدا ہوئے۔ نامور محدث اور فقیہ دان تھے۔ امام مالک سے زیادہ مشہور و معروف تھے۔

(i) عسقلانیؒ، تهذیب التهذیب ، ج: ۸، ص: ۴٦۳ (ii) ابن خلکانؒ، وفیات الاعلام، ج: ۱ ، ص: ۵۵۴۔۵۵۵۔

103۔امام باقرؒ: امام زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، (۳۸ھ / ٦۵۹۔۹۲ھ / ۷۱۰ء اور ۹۹ھ / ۷۱۷ء) مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ یہ اپنے والد، چچا امام حسن، حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور بڑے فقیہ ہیں۔ عسقلانیؒ، تهذیب التهذیب، ج: ۷، ص: ۳۰۵۔

104۔ امام جعفر صادقؒ: ابو عبداللہ جعفر الصادق بن محمد بن علی زین العابدین (۸۰ھ یا ۸۳ھ/ ٦۹۹ء یا ۷۰۳۔ ۱۴۸ھ/ ۷٦۵ء) مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کوششوں کا چھٹا امام تسلیم کیا گیا۔ وہ ایک محدث، مفسر اور کیمیا دان تھے۔ اور جابر بن حیان کے استاد تھے (i) ابن قتیبہؒ، ص: ۷۸ (ii) زرکلیؒ، الاعلام، ج: ۲، ص: ۱۱۲۱۔

105۔ زرقا، اسلامی قانون کا تاریخی ارتقاء، ص: ۳۷۵۔

106۔ حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص: ۱۱۴۔

107۔ شمس تبریز خان، مسلم پرسنل لاء، ص: ۱۰۹۔

108۔ایضاً۔

109۔ایضاً۔

110۔ایضاً۔

111- Willson, Anglo-Muhammadan law, P.6.

112۔غازی، خطبات بہاولپور، ۲، ص: ۲٦۔

113۔i۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، تاریخ قانون میں مسلمانوں کا حصہ، (نذر عابد، مرتبہ، مالک رام)، نئی دہلی: مجلس نذر عابد، ۱۹۷۴ء۔ ii۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، نگارشات ڈاکٹر محمد حمید اللہ، لاہور: بیکن بکس، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۸۷۔۴۸۸۔

114۔ سولن: یہ مشہور یونانی مقنن تھا اس نے (۵٦۴ء) میں یونانی منظوم قصیدوں کی باقاعدہ ترتیب کی ، (شبلیؒ نعمانی، قانون یا لاء، ماہنامہ، الندوۃ، اگست ۱۹۹۰ء۔ نمبر ۷، ج: ٦، ص: ۳۱)۔ یونانی تاریخ کے لیے مزید دیکھیے : ڈی، اولیری، فلسفہء اسلام، مترجم، احسان احمد، کراچی: نفیس اکیڈمی، س۔ن، ص: ۱۳۔ ۵۳، ص: ٦۷۔ ۷۳۔

115۔ ایضاً، ص: ۴۹۰۔

116۔ غازی، خطبات بہاولپور، پانچواں خطبہ، اسلام کا تصور ریاست بین الاقوامی تناظر میں، ص: ۳۲۔

117۔ ایضاً، ص: ۳۴۔

118 ۔Baker. J.H. An Introduction to English Legal History, 2nd ed, (Butterworths, London, 1979) PP.2-3

Smith. J.c and David N. Weisstub, The western Idea of law, (Butterworths, London, 1983) PP.24,75

119۔ دراسات فی الحکم الشرعی عند الأصولیین، ص:۹،۳۹۔

120۔ عودہ، عبدالقادر شہید، اسلام کا فوجداری نظام، مترجم ساجد الرحمٰن کاندھلوی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، 1919ء، ج:۱، ص:۱۷۔